عراق: چرچ اور مسیحی آبادی

[جریدہ فیڈز (Fides) نے عراق میں سفارتِ کبریٰ (Nunciature) کے سیکرٹری کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے۔ اِس انٹرویو کے دو سوال اور اُن کے جواب ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ مدیر]

سوال: عراق میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے باہمی روابط کے بارے میں بتایئے۔

جواب: حکومتِ عراق کی طرف سے، جو اپنے آپ کو سیکولر بیان کرتی ہے، سرکاری طور پر کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ "وزارت مذہب" عبادت گاہوں کی تعمیر اور مرمت میں مسیحی برادریوں کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔ مزید برآں اب تک کسی اسکول میں مسیحی تعلیم کے لیے ضروری تھا کہ اس میں طلبہ و طالبات کی کم از کم نصف تعداد مسیحی ہو مگر اِس سال یہ نسبت پچاس فیصد سے کم کر کے پچیس فیصد کر دی گئی ہے۔ اِس فیصلے سے مسیحی آبادی کو فائدہ پہنچا ہے۔ اُس وقت کچھ مشکلات پیدا ہوئی ہیں جب بعض سرکاری عہدوں پر ایسے لوگوں کا تقرر ہوا جو بنیاد پرست حلقے کے قریب تھے مگر مسائل پر قابو پا لیا گیا۔ خلیجی جنگ میں پوپ کی مداخلت اور طرزِ عمل فیصلہ کن تھا جو اُنہوں نے ریاستوں کے درمیان مکالمہ جاری رکھنے کے لیے اختیار کیا۔ عراق میں پوپ کو از حد عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے اور گزشتہ دو برسوں میں ویٹیکن کے دو وفود نے ملک کا دورہ کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی عراق میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان تعلقات کافی اچھے ہیں۔

سوال: کیا چرچ نے عراق کے خلاف اقوامِ متحدہ کی عائد کردہ پابندیوں سے عراقی عوام پر پڑنے والے اثرات کم کرنے کے لیے کوئی خصوصی اقدام کیا ہے۔

جواب: خلیجی جنگ کے بعد چرچوں نے غریب لوگوں کی مدد کے لیے متعلقہ بشپی حلقوں میں اقدامات کیے ہیں۔ بہت سے پیرش بعض مسلمان خاندانوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اِس طرح اٹھارہ ماہ پہلے "کاریتاس عراق" وجود میں آیا۔ کاریتاس اُن لوگوں کی مدد کرتا ہے جو تجارتی ناکہ بندی سے بُری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ سامان "کاریتاس اردن" کے ذریعے آتا ہے اور پھر یہ سامان مختلف علاقوں میں ضرورت کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ یک جہتی کا ایک مضبوط احساس پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرا اقدام کپڑا بُننے کی چھوٹی ورکشاپوں کے ذریعے لوگوں کو روزگار کی فراہمی ہے۔ اِن ورکشاپوں کی تیار کردہ

اشیاء فروخت کر دی جاتی ہیں یا غریب ترین خاندانوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ "خواہرانِ ٹریضہ" اور "مشنریز آف چیریٹی" ہیں جو تقریباً معذور بچوں کی نگہداشت کرتے ہیں اور تقریباً یہ سارے بچے مسلمان ہیں۔ عام مسیحیوں کو دینی تعلیم کے کورسز کرائے جا رہے ہیں تاکہ نوجوان لوگ تیار ہو سکیں۔

اسرائیل اور ویٹیکن کے درمیان سفارتی تعلقات

۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو "تنظیم آزادی فلسطین" اور اسرائیل کے درمیان اسرائیل کے مقبوضہ علاقوں میں فلسطینیوں کو محدود خود مختاری دیے جانے کے معاہدے کے بعد ویٹیکن اور اسرائیل نے سفیروں کی سطح پر تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ جولائی ۱۹۹۲ء میں دو طرفہ مسائل پر تبادلۂ خیال کے لیے قائم شدہ مشترکہ کمیشن کے تحت تل ابیب اور ہولی سٹی کے درمیان مسلسل مذاکرات کے بعد ہوا ہے۔

ویٹیکن اِس مکالمے کے ذریعے، جس کی پبلسٹی نہیں کی گئی، یہودیوں اور کیتھولک مسیحیوں کے درمیان تعلقات بہتر بنانا چاہتا ہے۔ اسرائیل کے قیام سے اب تک ویٹیکن کے تعلقات یہودی ریاست کے ساتھ گرم جوشی پر مبنی نہیں رہے تاہم ویٹیکن نے "محفوظ سرحدوں" کے اندر اسرائیل کے قائم رہنے کے حق کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے۔ مقبوضہ فلسطین میں مسیحیوں کی ایذا رسانی اور مقدس مقامات بشمول القدس الشریف کی بالارادہ توہین کے مسائل پر ویٹیکن کو شدید اختلافات ہیں۔ اسرائیل کے ساتھ ویٹیکن کے تعلقات میں نشیب و فراز آتے رہے ہیں۔ ویٹیکن کی خواہش ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسئلے کا پُرامن حل تلاش کیا جائے جس میں فلسطینیوں کے حق خود اختیاری کی ضمانت دی جائے اور فلسطینیوں کے اپنے گھروں کو واپس آنے کا حق تسلیم کیا جائے۔ بعد میں جب عرب حکومت اور اسرائیل کے درمیان خفیہ مذاکرات ہوئے اور "تحریک آزادی فلسطین" اور اسرائیل مذاکرات کی میز پر آ گئے تو ویٹیکن نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا اور مشرقِ وسطیٰ کے مسئلے کا حل امریکہ کے زیر نگرانی ہونے والے مذاکرات پر چھوڑ دیا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۹۳ء کو تل ابیب میں اسرائیل اور ویٹیکن کے وزرائے خارجہ نے ایک "بنیادی معاہدہ" پر دستخط کیے ہیں جس کے مطابق دونوں ریاستیں ایک دوسرے کے ہاں اپنے "خصوصی نمائندے" بھجیں گی اور اِس کے بعد سفارتی سطح پر مکمل تعلقات قائم ہو جائیں گے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ اِس "بنیادی معاہدے" پر دستخطوں کے بعد پوپ کے دورۂ فلسطین کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔